(غلام گردش)

مایوسی

ہرطرح کی عمر کے لوگ ملتے رہتے ہیں۔ بات چیت کا دائرہ تھوڑا سا بھی آگے بڑھے تو سو فیصد لوگوں میں "مایوسی" کا عنصر انتہائی کثرت سے نظر آتا ہے۔ جذباتی گزارش قطعاً نہیں کر رہا۔ ہمارے ملک کی غالب اکثریت متعدد حوالوں سے شدید مایوسی کا شکار ہو چکی ہے۔ اسے "ڈیپریشن" کی ابتدائی سطح یا شائد آخری منزل بھی قرار دیا جا سکتا ہے۔

امیر ہوں یا غریب، مرد ہوں یا خواتین، لڑکے ہوں یا لڑکیاں اور جس بھی روزگار سے تعلق رکھتے ہوں، حد سے زیادہ ذہنی شکست ریخت کا شکار نظر آتے ہیں۔ بظاہر لوگ کھوکھلے سے قہقہے، ہنسی مذاق اور ٹھٹھہ کرتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ پر تھوڑی سی گفتگو میں اصل معاملات کھل کر باہر آجاتے ہیں۔ مجموعی طور پر ہم لوگ "خوش نا رہنے والے لوگ" بن چکے ہیں۔ یا شائد ناخوش افراد۔ غمگین کا لفظ استعمال نہیں کر رہا۔ کیونکہ یہ صورتحال کی عکاسی کرنے سے قاصر ہے۔ اندازہ غیر ممالک میں جا کر کثرت سے ہوتا ہے۔ جہاں لوگ مجموعی طور پر ہشاش بشاش اور قدرے پُرسکون نظر آتے ہیں۔ اپنی قوم کے متعلق اس طرح کی عجیب سی بات کرنا مشکل اَمر ہے۔ پر حقیقت یہی ہے یا اس سے بہت قریب۔ انسانی رویے بالکل وہی ہوتے ہیں جس طرح کے ریاستی طرزِ عمل ہوتے ہیں۔ معاملہ آسانی سے اُلٹ بھی گردانا جا سکتا ہے۔ جس طرح کے حکومت کے عملی اقدام ہونگے، انسان تقریباً اسی طرح کی زندگی گزارنا شروع کر دینگے۔ یا شائد مجبور ہو کر بالکل اس زاویے سے سوچنا شروع کر دینگے۔ دشواری یہ ہے کہ انتہائی پیچیدہ صورتحال ٹھٹھر ٹھٹھر کر مکمل مایوسی میں ڈھل چکی ہے۔ اردگرد نظر ڈالیے۔ ہر سطح پر یہ مسائل بھرپور زہر کے ساتھ نظر آئینگے۔

حکومتی بیانیے سے شروع کیجئے، کہ بہرحال اسکی طاقت اور معاشرتی چھاپ اَز حد طاقتور ہے۔ کوئی ایک مثال لے لیجئے۔ جیسے مقبوضہ کشمیر کو ہماری شاہ رگ بتایا جاتا ہے۔ ریاستی موقف ہے کہ کشمیر پر ہمسایہ ملک کا غاصبانہ قبضہ ہے اور وہاں بہت زیادہ ظلم ہو رہا ہے۔ مانتے ہیں کہ یہ کافی حد تک ٹھیک ہے۔ ردِعمل میں، ہمارے تمام قومی وسائل ایک خاص دفاعی انجن میں جھونک دیے گئے ہیں، جسکی عملی افادیت کے متعلق کوئی بات کرنے کی ہمت نہیں کر سکتا۔ پر کیا کسی مقتدر انسان نے یہ کہا، کہ ہمارے چاروں صوبوں میں سماجی اور معاشی انصاف، مساوات، عملی ترقی اتنی ہی اہم ہے جتنا کہ مقبوضہ کشمیر پر احتجاج در احتجاج کرنا۔ کوئی بھی یہ نہیں کہتا کہ جو بچا کچھا پاکستان ہمارے پاس موجود ہے، اسکو جنت نظیر کیسے بنایا جائے۔ پر نہیں ہم اپنا اصل کام بالکل نہیں کرینگے۔ اپنا گھر مکمل طور پر صاف نہیں کرینگے۔ ہاں مقبوضہ کشمیر کے لئے زبانی جدوجہد میں بھرپور مصروف نظر آئینگے۔ کوئی یہ نہیں جرات کرتا، کہ بتائے کہ لڑ کر، یا معاملات کو بگاڑ کر کشمیر کو آزاد نہیں کروا سکتے۔ ہمیں کوئی بے معانی یلغار کرنے بھی نہیں دیگا۔ ہاں، یہ ضرور ہو سکتا ہے کہ کشمیر کو آزاد کرواتے کرواتے ہم اپنی رہی سہی آزادی سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے گے۔ غیر جذباتی طریقے سے سوچنا شائد اب ہمارے بس سے باہر ہے۔ اب ہمارے اختیار سے ہی مکمل باہر۔ نسیم حجازی کے افسانوی ناول پڑھ کر ہم اپنے قد اور قوت کا بھی غلط اندازہ لگا بیٹھے ہیں۔ سنجیدہ معاملات میں زبان بندی ہو چکی ہے۔ ریاستی دوعملی، عوام کے ذہنوں میں غبار کی طرح منجمد ہو چکی ہے۔ یہاں انسان کُڑھ تو سکتا ہے، پر سچ بات کہنے کی اجازت نہیں مانگ

سکتا۔

خیر، بین الاقوامی سطح کے معاملات کو لپیٹ کر اندر رکھنے کے بعد گزشتہ دہائیوں سے اندورنی خلفشار اور حماقتوں کی طرف آیئے۔ مشرقی پاکستان کے ساتھ جس طرح کی بنیادی ناانصافی رکھی گئی۔ اسکو بنگالیوں نے شروع دن سے تسلیم نہیں کیا۔ زبان کے استعمال سے لیکر معاشی استحصال تک، ہر طریقے سے انکو ایک غلام بنانے کی اَن دیکھی مضبوط پالیسی پر کام ہوتا رہا۔ انکی سماجی حیثیت کو مغربی پاکستان میں تضحیک کا نشانہ بنایا گیا۔ الیکشن جیتنے کے باوجود اقتدار تک نہیں پہنچنے دیا گیا۔ جب انکے جیتے ہوئے قائدین نے اپنا جمہوری حق مانگنے کی کوشش کی، تو انہیں غدار قرار دیکر، عسکری طاقت سے برباد کرنے کی کوشش کی گئی۔ جزئیات بہت تکلیف دہ ہیں۔ عرض کرونگا کہ اب ہم یہ بھی ماننے کیلئے آمادہ نہیں، کہ 2017 کا بنگلہ دیش ہم سے ہر لحاظ سے کامیاب ہے۔ معیشت سے لیکر سیاست، عملی رویوں سے لیکر مذہبی رجہانات، پرانے مغربی پاکستان اور آج کے پاکستان سے زیادہ بالغ ہیں۔ مگر ہم تو بنگلہ دیش کی ترقی کا ذکر کرنا بھی گناہ سمجھتے ہیں۔ کوئی بھی پوچھ نہیں سکتا، کہ محمود الرحمٰن کمیشن رپورٹ کو شائع نہ کر کے، کون سا تیر مار لیا گیا۔ اس رپورٹ کو پڑھ کر انسان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اس درجہ سرکاری بے حسی اور اس درجہ زیادتی۔ روح کانپ جاتی ہے۔ مگر صرف اور صرف جھوٹ کا سہارا لیکر ایک بہیمانہ ظلم کو پردے کے پیچھے چھپانے کی بچگانہ کوشش کی گئی۔ مگر سچ پھر بھی سامنے آ گیا۔ سوال یہ ہے کہ جب ہم اپنے اہم ترین معاملات میں جھوٹ بولتے ہیں، تو عام زندگی میں بھی اسی طرزِ عمل کے حامل ہونگے۔ جب ملک میں بلند ترین سطح کے لوگ مسلسل دروغ گوئی کرتے ہیں، تو وہ قومی شعار بن جاتا ہے۔ آج بھی وہی حال ہے۔ آنے والے کل میں بھی یہی ہوگا۔ اب ہماری ذاتی اور ریاستی پالیسی کی فکری اساس مبالغہ اور کمزور سچ پر مبنی ہے۔

بہت سی مثالیں ہیں۔ یہ بتایا جا رہا ہے کہ ملک بے مثال ترقی کر رہا ہے۔ اخباری اشتہارات کی ادنیٰ مہم چلا کر ترقی کی قیامت برپا کر دی ہے۔ مگر حقیقت میں کچھ بھی نہیں۔ چاروں صوبوں کو لے لیجئے۔ کسی جگہ بھی کوئی مثالی نظام موجود نہیں ہے۔ ایک قریبی دوست چند ماہ پہلے لاہور سے کراچی، کاروبار کے سلسلے میں منتقل ہوئے۔ دو ہفتے بعد لاہور آتے ہیں کیونکہ فیملی لاہور میں ہی ہے۔ انہوں نے ایک کارخانہ لگایا ہے۔ چند دن پہلے ان سے بات ہوئی تو کراچی کے متعلق بہت مشکل سی باتیں معلوم ہوئیں۔ بتانے لگے کہ کراچی کے اکثر علاقوں میں کوڑے کرکٹ کے پہاڑ پڑے ہوئے ہیں۔ غلاظت، پلاسٹک کے لفافے اور گندگی کے کوہ ہمالیہ ہر طرف بلکہ ہر علاقے میں کثرت سے موجود ہیں۔ ڈی۔ ایچ۔ اے کے کمرشل علاقوں میں بھی صفائی کا کوئی انتظام نہیں۔ انکے بقول، اکثر علاقوں میں سڑاند اور بدبو اس شدت سے موجود ہے، کہ وہاں سانس لینا مشکل ہے۔ کلفٹن پر موجود ایک انتہائی مہنگے ریسٹورنٹ کی بات بتانے لگے کہ اس سے متصل اس درجہ غلاظت تھی کہ گاڑی سے نکل کر وہ صرف بدبو کی وجہ سے الٹیاں کرنے لگ گیا۔ یہ ایک ایسے عام سے تاجر کے تاثرات ہیں، جسکی کسی قسم کی کوئی سیاسی وابستگی نہیں ہے۔ یہ بھی بتایا کہ نلکے کا پانی، اَز حد زہریلہ اور گندا ہے۔ اسکے پینے کے بعد انسان متعدد بیماریوں کا یکدم شکار ہو جاتا ہے۔ جس میں یرقان، نظام ہضم کی بیماریاں اور دیگر علتیں شامل ہیں۔ مگر اب کراچی کے عام لوگ اسکو اپنا مقدر سمجھ بیٹھے ہیں۔ انہیں یقین ہے کہ انکے معاملات حل کرنے کیلئے کوئی بھی نہیں آئیگا۔ یہ اس درجہ بے بسی ہے کہ لوگ ذہنی مریض

بن چکے ہیں۔باقی صوبوں میں بھی یہی حال ہے۔یہ درست ہے کہ صفائی کے معاملات میں لاہورسب سے بہتر ہے۔مگر بے ہنگم ٹریفک اورشورلوگوں کو پاگل کر چکا ہے۔کسی کوعلم نہیں کہ اس شہرمیں کتنے موٹرسائیکل ہیں۔کتنی گاڑیاں ہیں۔کوئی بھی موٹرسائیکلوں کی تعدادمقررکرنے کیلئے کوشاں نہیں ہے۔لاہورسے باہرنکل کردیہاتوں اورچھوٹے قصبوں کا کوئی والی وارث نہیں ہے۔یہاں بھی بدانتظامی،گنداورکوڑے کے ڈھیرلوگوں کی زندگی کا جزو بن چکے ہیں۔مجموعی طور پر پورے ملک میں مغربی سطح کی ترتیب اورقرینے کا ایک شہر یا قصبہ تک نہیں ہے۔لوگ پہلے بھی بے بس تھے اورآج بھی عہد تحقیر میں ہیں۔کوئی راستہ نہیں،کوئی مسیحا نہیں۔ان حالات میں کیا مایوسی واقعی گناہ ہے یا ایک فطری ردِعمل!

حکومتی ادارے بذات خودانا انصافی اورمایوسی پھیلانے کے اعلیٰ کارخانے ہیں۔کسی بھی حکومتی ادارے سے کام پڑجائے،آپکوعزت نفس گروی رکھ کرآنی پڑیگی۔لوگ تواب یہاں تک کہتے ہیں،کہ جوسرکاری عمال "پیسے لیکر" کام کردے،وہ ولی ہے۔کیونکہ یہاں تو عمال رشوت لینے کے باوجودکام نہیں کرتے،فون نہیں سنتے۔معاف کیجئے۔ایسے ایسے منصف بھی موجود ہیں جوکیس میں دونوں طرف سے پیسے وصول کرنا فرض سمجھتے ہیں۔ستم یہ بھی ہے کہ کئی وکیل حضرات بھی اب منصفوں کو پیسے دینے میں مہارت حاصل کرچکے ہیں۔ملک کی کسی کچہری میں چلے جائیں۔آپکوسینکڑوں،ہزاروں سائل نظرآئینگے۔کھانے پینے کی دکانیں بھری ہونگی۔لوگ پریشان حال دھکے کھارہے ہونگے۔کالے کوٹ والوں کی فوج ظفرموج سیلاب کی طرح موجودنظرآئیگی۔صرف ایک چیزموجودنہیں ہوگی اوروہ ہے انصاف۔اب تولوگ تھانے کچہری میں جانے کوصرف وقت کی بربادی گردانتے ہیں۔چپ کرکے اپنے ساتھ ظلم کومقدرسمجھ کرخاموش ہوجاتے ہیں۔ایسے بہت سے کیس میری نظرمیں ہیں۔جہاں لختِ جگریا بیٹی کوقتل کردیا گیا،بے آبروتک کیا گیا ہے۔مگرلوگ نظام انصاف میں ذلیل ہونے کے بعداپنے گھروں میں واپس چلے جاتے ہیں۔انہیں معلوم ہے کہ وہ بے بس ہیں کچھ نہیں کرسکتے۔بے بسی،انہیں مکمل طور پر مایوسی کا تحفہ دیکرخاموش کردیتی ہے۔

ہرشعبہ میں ہزاروں مثالیں ہیں۔کیالکھوں اورکیانہ درج کروں۔یہ ملک یاریاست بھرپورطریقے سے خودکشی کررہی ہے۔میرے خیال میں تو کرچکی ہے۔لوگ اس درجہ مایوس ہیں کہ اب مایوسی انہیں نارمل نظرآتی ہے۔بجھے ہوئے چہروں کے ساتھ سانس لیتے ہوئے آسمان کی طرف دیکھ رہے ہیں کہ شائدکوئی مسیحا آجائے۔پرصاحبان!مسیحا کبھی آسمانوں سے نہیں آتا۔وہ تو قوموں کے اندرسے جنم لیتا ہے۔مگرمجھے یقین ہے کہ اس بنجرقوم میں سیاسی مسخرے تو پیدا ہوسکتے ہیں،مسیحا نہیں!یہی ہمارا مقدر ہے اوریہی عملی نصیب!

راؤمنظرحیات